مرثیہ

رواں ہے جادۂ ہستی میں کاروانِ حیات

عنوان........حیات

تعدادِ بند...۵۶

حیات

رواں ہے جادۂ ہستی میں کاروانِ حیات　　بشر کو مرگِ مسلسل پہ ہے گمانِ حیات
عجب فسانۂ عبرت ہے داستانِ حیات　　کہ زندگی میں بھی ملتا نہیں نشانِ حیات
سکون شب کیلئے ہے نہ چین دن کیلئے
ترس رہے ہیں بشر نفس مطمئن کیلئے

وجودان کا ہے اک ساز جس میں زیر نہ بم　　نفَس کی آمد و شد ہے کہ نزع کا عالم
حیات و مرگ کے آثار ان میں ہیں توام　　یہ جی رہے ہیں مگر ٹوٹتا ہے دم ہمہ دم
دلوں سے محو سب اقدارِ زندگانی ہیں
یہ اس جہان میں رہ کر بھی آنجہانی ہیں

زمانہ تزکیۂ نفس کا نہیں قائل　　اسیرِ حرص و ہوا و ہوَس بشر کا ہے دل
شعارِ بوالہوسی کارِ خیر میں ہے مخل　　یہی ہے دھن کہ ہو لیلائے زر پسِ محمل
رہِ عمل میں ہے فکر و نگاہ بازاری
دکانِ زیست ہے وقفِ سیاہ بازاری

مئے تاسّیِ مغرب سے ہے بشر مخمور　　کہ منشیات سے کرتا ہے کسبِ عقل و شعور
بڑھائی زلف کہ ہو امتیازِ جنس بھی دور　　فرشتہ بن نہیں سکتا تو بن رہا ہے حور
فریب کھا کے جب اس نے قدم بڑھایا ہے
معاشرے میں نئے انقلاب لایا ہے

خطا سے بس کہ مرکب ہے آدمی کا مزاج　　سمجھ رہا ہے جہالت کو علم کی معراج
بشر کے سر پہ کمالِ خودی کا دیکھ کے تاج　　بڑے ریاض سے ابلیس دے رہا ہے خراج
امید جس کی نہ تھی، آج وہ محل آیا
ازل میں بیج جو بویا تھا اُس میں پھل آیا

فضا پہ چھائے ہوئے ہیں نفاق کے بادل　　خدا پرست کا دل ہے مقامِ لات و ہبل
زباں پہ دعویٰ الفت، چھری ہے زیرِ بغل　　خلوص، خلق، کرم رکھ رکھاؤ سب مہمل
لبوں پہ صلح پسندی کی کوئی بات نہیں
بزن بکش کے سوا مقصدِ حیات نہیں

ہیں جہدِ شر میں ذکور و اناث دوش بدوش　　یہ سن رہے ہیں سبھی کچھ بجز نوائے سروش
مطالبات میں حوا کی بیٹیوں کا یہ جوش　　نہ دین پر ہے عقیدہ نہ عافیت کا ہے ہوش
ہر ایسا حق جو مناسب تھا حق نے بخشا ہے
بتاؤ سالِ خواتین کا محل کیا ہے

بشر نے کرلیا خود اپنی ہی انا کو فنا　　سمجھ رہا ہے یہ باطل کو حق، جفا کو وفا
کیا ہے زیست سے یوں طاعتِ خدا کو جدا　　کہ دے رہا ہے ہر اقدامِ ناروا کو ہوا
غرض اسے نہ یقیں سے نہ اعتماد سے ہے
لگاؤ ہے تو فقط فتنہ و فساد سے ہے

وہ کہنہ درسِ اخوت کسے ہو آج قبول　　کہ ترکِ خیرِ عمل آدمی کا ہے معمول
جو بات عقل کو تسلیم ہو وہ نامعقول　　عجب ہے آج کی انسانیت کا اصل و اصول
بڑھا چڑھا کے تم اپنے حقوق جتلا دو
کسی کا تم پہ ہو جائز بھی حق تو ٹھکرا دو

نہیں ہے سینۂ انساں میں علم سی کوئی شے   رہِ حیات اندھیرے میں کر رہا ہے طے
مگن ہے عشقِ ابوجہل کی پیئے ہوئے مے   اگر غرض ہے تو احراقِ درس گاہ سے ہے
درندگی ہے نمو دارِ چشم و ابرو سے
یہ کسبِ علم بھی کرتا ہے زورِ بازو سے

کہاں سے ذہن میں روشن ہو علم کی قندیل   مجادلہ ہے کثیر اور مطالعہ ہے قلیل
بہت عجیب ہے تحصیلِ علم کی یہ سبیل   کہ بے پڑھے ہوئے ہو جائیں فارغ التحصیل
نہیں یہ تاب کہ خود بہرِ قطعِ راہ چلے
یہ چاہتا ہے کہ پیاسے کی سمت چاہ چلے

وہ علم فرض تھی تحصیل جس کی تا بہ لحد   وہ علم جس کو ملی مرضیِٔ خدا کی سند
وہ علم تزکیۂ نفس جس کا تھا مقصد   وہ علم جس کے علیؑ در تھے، شہر تھے احمدؐ
وہ عہدِ نو کے جوانوں کو بارِ خاطر ہے
ضمیر بیچ دیا ہے، زبان حاضر ہے

کتابِ حق پہ ہے اہلِ کتاب کا یہ ستم   مقام اس کا ہے جزدان، مصرف اس کا قسم
گراں ہیں گوش پہ آیاتِ مصحفِ محکم   بہت شدید الف لام میم کا ہے الم
کوئی شغف نہیں تعلیمِ ربِ یکتا سے
دلوں پہ چوٹ سی لگتی ہے حکمِ اقرا سے

یہ باپ کا ہے تقاضا پڑھے لکھے بیٹا   پسند آئی نہ بیٹے کو باپ کی یہ ادا
کمال دیدہ دلیری سے دے دیا فتویٰ   پدر پسر کے مسائل سمجھ نہیں سکتا
یہ جانے جاگ رہا ہے ابھی کہ خواب میں ہے
یہ گرگ شدتِ باراں سے اضطراب میں ہے

پسر کی سعیِ مسلسل فروغِ جور و جفا   پدر کا حکم کہ اپناؤ خوئے مہر و وفا
اُدھر ہے مکر و دغا اس طرف ہے صدق و صفا   خلف سلف سے اسی بات پر ہوا ہے خفا
قریب کیا ہو کہ ہے فکر الگ، نگاہ الگ
پدر کی راہ الگ ہے پسر کی راہ الگ

ملیں بھی کیسے کہ ناساز گار ہیں حالات   یہ ہو کے رہ گئی ہے بعدِ مشرقین کی بات
نظر میں نورِ نظر کی بسے ہیں لات و منات   جہاں میں قبلہ و کعبہ کی کچھ نہیں اوقات
اب اس روش پہ یہ نسل اتفاق کرتی ہے
کہ اپنے باپ کو اولاد عاق کرتی ہے

کچھ اس طرح سے اٹھا احترام ماضی کا   کہ رنگِ عظمتِ اجداد پڑ گیا پھیکا
اصولِ وضع ہوا جب سے "بُعدِ نسلی" کا   نشانِ علم بنا ہے کلنک کا ٹیکا
ضمیر اور زباں کے جو رشتے ناتے ہیں
جدید علم کے طوفاں میں بہتے جاتے ہیں

خدا کو بھول گیا ہے خلا نورد بشر   بڑا غرور ہے تسخیرِ ماہ و زُہرہ پر
ہیں اک نظام کے تابع نجوم و شمس و قمر   ذرا بدل کے دکھائیں تو اُس کو اہلِ ہنر
فرازِ عرش کا طے ہو سفر تو ہم جانیں
یہ کردیں چاند کے ٹکڑے اگر تو ہم جانیں

اگر یہ کر نہیں سکتا حکیمِ با تدبیر   وہ علم اہلِ نظر کی نگاہ میں ہے حقیر
کہ جس کے دم سے فروزاں نہ ہو چراغِ ضمیر   رہے گی بازیِ طفلاں سے کم یہ سعیِ حقیر
سمجھ رہا ہے بلندی جسے وہ پستی ہے
یہی ہے علم، تو یہ علم ننگِ ہستی ہے

یہ زعمِ علم، یہ اُلٹی ترقیوں کا غرور   دلیلِ عقل نہیں ہے، دماغ کا ہے فتور

سنو بغور تم اے خوگرانِ فسق و فجور   وہ منتقم بھی ہے سمجھے ہو جس کو صرف غفور

ہمیشہ خیر کا ضامن یہی اصول ہوا

گناہ حد سے بڑھا، قہر کا نزول ہوا

ازل سے ہے یہ اٹل انتظام قدرت کا   جہاں اٹھا کوئی فرعون، آ گیا موسیٰؑ

بلند جب سرِ ساحل ہوئی صدائے وفا   ادب سے پیکرِ لبیک بن گیا دریا

برائے حق سپر آثار ہو گئیں موجیں

اُبھر کے آہنی دیوار ہو گئیں موجیں

خدا سے جب ہوئے رشتے بشر کے نامربوط   دلوں سے ہونے لگے محو آگہی کے خطوط

تو ایسے وقت میں رحمت کی رے ہوئی منقوط   سما گئی تہہِ گیتی تمام امتِ لوط

رہے مکیں نہ مکاں کا رہا نشاں باقی

جہاں میں رہ گئی عبرت کی داستاں باقی

جلی ہے صفحۂ تاریخ پر زمانۂ نوحؑ   وہ دور جب بشریت کی روح تھی مجروح

ہزار توبہ شکن تھے، نہ تھا تو ایک نصوح   کبھی نہ بھولے گی دنیا یہ قصۂ مشروح

نزولِ قہرِ خدا غرب تا بہ شرق ہوا

وہ موج آئی کہ عالم تمام غرق ہوا

ہر ایک دور کی تاریخ سے یہ ہے واضح   ہمیشہ نرغۂ باطل میں حق رہا فاتح

وہ منہ کی کھا گئے ابلیس جن کا تھا ناصح   بلائے عام بنی مرگِ ناقۂ صالحؑ

جو منکرانِ خدا تھے وہ دم میں خاک ہوئے

صدائے صور وہ گونجی کہ سب ہلاک ہوئے

بڑے غرور سے شعلے بڑھے تھے سوئے خلیل   ہوئی نہ مقصدِ نمرود کی مگر تکمیل

تنور میں ہوئی گلزارِ عشق کی تشکیل   صدا یہ آئی کہ اے منکرِ خدائے جلیل

ترے نصیب کے تارے چمک نہیں سکتے

ہوا کے شر سے یہ شعلے بھڑک نہیں سکتے

بشر کا بس نہ چلا پیشِ مرضیِ معبود   تمام داؤ خباثت کے ہو گئے بے سود

شرابِ سطوتِ شاہی بھی نکلی زہر آلود   تھے جو اشکِ ہزیمت تو دیکھ لے نمرود

مقام ایسے بھی راہِ وفا میں ملتے ہیں

دہکتی آگ سے خلت کے پھول کھلتے ہیں

بڑھا سوئے مہِ کنعاں جو ابرِ ظلم و جفا   غریقِ چاہ سگے بھائیوں نے مل کے کیا

مگر کچھ اور تھا پروردگار کا منشا   یہ معجزہ بھی زلیخائے وقت نے دیکھا

کہ چاک پڑتے رہے دامنِ اخوت میں

کنواں بدل گیا گہوارۂ نبوت میں

دلوں پہ نقش ہے اب تک صلیب کا منظر   وہ ایک جان کے درپے ہزار بانیِ شر

بچا لیا اُسے تائیدِ رب نے بن کے سپر   بہ حفظِ جاں ہے وہ اب تک کسی کا راہ نگر

مسیح کشتۂ جور و جفا نہیں ہوتا

حیات بخشنے والا فنا نہیں ہوتا

کمال پر شبِ ہجرت تھی قدرتِ داور   حصارِ خیر کو سر کر سکی نہ قوتِ شر

یہ انتظام ہوا بہرِ حفظِ پیغمبرؐ   کہ پردے پڑ گئے ایمائے حق سے آنکھوں پر

وفورِ نور کو چشمِ بشر نہ دیکھ سکی

نبیؐ ہجوم سے گزرے، نظر نہ دیکھ سکی

غرض یہی قصصِ انبیاؑ سے راز کھلا　　بشر ہزار ہو منکر، خدا ہے پھر بھی خدا
اگر سمجھ نہیں سکتی یہ آج کی دنیا　　تو کیا کہے کوئی اس ضد کے حق میں اس کے سوا

الٹ کے رہ گیا اندازِ اکتسابِ علوم
غروب ہو گیا مغرب میں آفتابِ علوم

وہ تیرگی کی فضا کہ کور چشم ہے دنگ　　ہر اک مفکرِ تہذیبِ نو کی ہے یہ امنگ
کہ ذہنِ شرق پہ چڑھ جائے طرزِ غرب کا رنگ　　حسینیوں سے ہے بیعت طلب یزیدِ فرنگ

دیارِ زیست میں کرب و بلا کی صورت ہے
کسی حسینؑ کی اس عہد میں ضرورت ہے

ہزار بولہبی ہو شعارِ عصرِ جدید　　مقابلے پہ اگر ہیں، تو ہوں ہزار یزید
حجابِ غیب میں ہے ثانیِ حسینؑ شہید　　کمالِ جور و ستم ہے ظہور کی تمہید

قریب ہے وہ زمانہ کہ منتظر آئے
بہارِ گلشنِ ہستی میں پھر نظر آئے

خوشا وہ وقت کہ اسلام پر بہار آئے　　پھر اپنے دین پہ دنیا کو اعتبار آئے
نویدِ دید پسِ طولِ انتظار آئے　　جہاں میں سبطِ پیمبرؐ کا ورثہ دار آئے

خزاں کے بخت میں لکھی ہوئی تباہی ہے
بہار آئے گی، یہ وعدۂ الٰہی ہے

یہ سن رکھیں چمنِ حق کے خانہ برانداز　　بہار آئے گی، اور آئے گی بصد اعزاز
بلند ہو گی دلوں سے اذان کی آواز　　خدا کے سامنے جھک جائے گی جبینِ نیاز

رہے گی تاب نہ اذہانِ کفر پرور میں
بس اک تصوّرِ حق ہو گا ملکِ داور میں

پلک جھپکتے ہی نابود ہوں گے فسق و فجور　　تمام عالم شر ہو گا خیر سے معمور
شبِ سیاہ سے ایسی سحر کرے گی ظہور　　کہ پھر نہ جائے گا ظلمت سرائے دہر سے نور

فنا یہ علم کا معکوس ارتقا ہو گا
کوئی نشاں نہ فراعینِ غرب کا ہو گا

ابھی ہے زد پہ تلاطم کے کشتیِ ایماں　　مگر امینِ تحفظ ہے مرضیِ یزداں
بہت دنوں نہ رہے گی یہ شورشِ طوفاں　　فضا کا جائزہ لیتا ہے نوحِؑ عصرِ رواں

زبانِ حال سے کہتا ہے شور موجوں کا
کہ فخرِ نوحؑ سے ٹوٹے گا زور موجوں کا

بڑے سکون سے ہے فرشِ راہ چشمِ یقیں　　شبِ سیاہ کی سیلِ بلا ہو، خوف نہیں
ہے نظمِ ارض و سما منتظر کے زیرِ نگیں　　اگر وہ چاہے تو پلٹے افق سے مہرِ مبیں

یہ تیرگی کی فضا امرِ اتفاقی ہے
سحر قریب ہے، تھوڑی سی رات باقی ہے

قریب ہے نظر آئے ستارۂ سحری　　خدا کے گھر سے ہو نورِ خدا کی جلوہ گری
یقین، صرف یقیں ہے کمالِ دیدہ وری　　کچھ اور دن کی ہے مہماں بشر کی خیرہ سری

نشاں رہے گا نہ ظلماتِ کفر و بدعت کا
طلوع ہونے کو ہے آفتاب امامت کا

وہ آفتابِ امامت جو غیب میں ہے ابھی　　جو ہے ضمانتِ احیائے دینِ مصطفویؐ
ظہور جس کا ہے ایماں کی نشاۃِ ثانی　　اٹھے گا کعبے سے جب لیکے ذوالفقارِ علیؑ

جفا و جور کا پنجہ مروڑ ڈالے گا
خدا بنے ہیں جو بت سب کو توڑ ڈالے گا

وہ شیر جس کی رگوں میں ہے بت شکن کا لہو   ہے انتقام پہ کف جس کی جنبشِ ابرو

سپرد جس کے ہے زہراؑ کے چاکِ دل کا رفو   جو کر رہا ہے خود اپنے ہی خونِ دل سے وضو

وہ کب تک آئے گا، یہ علمِ کردگار میں ہے

ابھی تو حکمِ مشیّت کے انتظار میں ہے

مگر نہ آئے گا جب تک وہ لمحۂ موعود   بھڑک نہ پائیں گے شعلے جو دل میں ہیں موجود

رہے گی راہِ سکوں اہلِ درد پر مسدود   نہ جانے کب نظر آئے وہ منزلِ مقصود

جہاں جوابِ صدائے حسینؑ آئے گا

نہ جانے کب دلِ زہراؑ کو چین آئے گا

اس انتظار میں مومن بھی ہیں، امامؑ بھی ہے   دلوں میں یاد بھی، ہونٹوں پہ اُس کا نام بھی ہے

لبوں پہ تذکرۂ شاہِ تشنہ کام بھی ہے   تصورات میں وہ دن بھی ہے وہ شام بھی ہے

وہ دن کہ جس میں غریبوں پہ آفتیں ٹوٹیں

وہ شام جس میں حرم پر قیامتیں ٹوٹیں

ہمیں یقیں ہے وہ ساعت ضرور آئے گی   ابھی نظر سے ہو کتنی ہی دور، آئے گی

لئے سکونِ دلِ ناصبور آئے گی   بڑے جلال سے صبحِ ظہور آئے گی

وہ صبح ڈھونڈتی ہے جس کو شامِ کرب و بلا

پکارتا ہے جسے انتقامِ کرب و بلا

وہ شامِ کرب کی، آفت کی، اضطراب کی شام   نبیؐ کی آل پہ وہ ظلمِ بے حساب کی شام

وہ بے کسی کی، بلاؤں کی، پیچ و تاب کی شام   وہ شام زینبؑ و سجادؑ کی، ربابؑ کی شام

وہ ریگِ دشت پہ میت شہِ مدینہ کی

پدر کی یاد میں وہ بے کلی سکینہؑ کی

وہ بے کسی، وہ اندھیرا، وہ شب کا سناٹا   وہ بھوک پیاس، وہ لاوارثی، وہ آہ و بکا

جلے خیام سے اٹھتی ہوئی وہ گرم ہوا   وہ دور ریت پہ اک اک عزیز کا لاشہ

وہ دل کا درد، وہ سرمایہ سوگواروں کا

وہ اک مریض سہارا جو بے سہاروں کا

حرم پہ وہ غم و حرماں کا بے پناہ ہجوم   کہ جس کی یاد سے مضطر ہے ہر دلِ مغموم

ہے انتظار کہ آئے جہاں میں وہ معصوم   پکارتا ہے جسے خونِ سیدِ مظلومؑ

جب انتقام کی زد پر ہر اک شقی ہوگا

حرم کے سوگ بڑھانے کا دن وہی ہوگا

خدا کرے کہ ہماری حیات میں ہو ظہور   نصیب ہم کو بھی ہو جائے دیدِ جلوۂ نور

جو آج خوگرِ غم پر ہے رنج و غم کا وفور   وہ اُن کے سامنے ہو جائے یک قلم کافور

شرف ملے جو امامِؑ زماں کی نصرت کا

تو ہم یہ سمجھیں صلہ مل گیا مودت کا

حضورِ شہ میں وہ اہلِ عزا کے دل کی خوشی   جب آئے گا سرِ دربار ایک ایک شقی

کسی بھی بانیِ شر کی نہ ہوگی جاں بخشی   جواب سب سے کرے گا طلب نبیؐ کا وصی

نہ کام آئے گا حیلہ کوئی لعینوں کا

''لہو پکارے گا قاتل کی آستینوں کا''

وہ دن نہ ہوگا جو تفہیم و انتباہ کا دن   وہ دن جو ہوگا فقط پرسشِ گناہ کا دن

وہ روسیاہوں کی تعزیرِ بے پناہ کا دن   وہ مجرموں کی نگاہوں میں ایک ماہ کا دن

محل نہ ہوگا کنایوں کا یا اشاروں کا

ابھر کے آئے گا کردار بدشعاروں کا

یہ پوچھا جائے گا کیا کیا کِیا تھا تم نے کہو یہ لیت ولعل کا موقع نہیں، زباں کھولو
شہید ظلم سے تم نے کیا تھا کس کس کو حسینؑ کس کے نواسے تھے؟ ہاں جواب تو دو
یہ کس کے خون سے ہاتھوں کو تم نے لال کیا
بتاؤ باغ تھا کس کا جو پائمال کیا

خبر نہ تھی کہ محمدؐ کا تھا وہ نورِ نظر؟ جسے رسولؐ سمجھتے تھے اُس کا لختِ جگر
گلے پہ کس کے چلایا تھا ظلم کا خنجر بتاؤ تھا کہ نہ تھا بوسہ گاہِ پیغمبرؐ
بڑے ریاض سے زہراؑ نے اُس کو پالا تھا
ستمگرو، وہ محمدؐ کے دل ٹکڑا تھا

بتاؤ تیر سے کس کے گلے کو چھیدا تھا بیان تو کرو معصوم کا قصور تھا کیا
وہ چھ مہینے کا بے شیر و بے زباں بچہ چلایا تھا کہو کس دل سے اُس پہ تیرِ جفا
وہ پی کے جامِ شہادت جو مسکرایا تھا
بتاؤ ایک کو بھی تم میں رحم آیا تھا

مٹائی تم نے نبیؐ کے شباب کی تصویر بجھائی شمع وہ جس میں حسنؑ کی تھی تنویر
سر اُس کا کاٹا جو تھا ثانیِ جنابِ امیرؑ لڑا تھا سنگ دلو کس سے اصغرؑ بے شیر
اُسے بھی تیرِ ستم کا ہدف بنا کے رہے
نبیؐ کی قبر، علیؑ کا جگر ہلا کے رہے

بتاؤ لوٹا تھا کس حق سے اہل بیتؑ کا گھر یہ کس قصور پہ بچی سے چھینے تھے گوہر
بتاؤ کھینچ لیا کیوں مریض کا بستر جواب دو کہ کیا کیوں حرم کو بے چادر
قدم قدم پہ نئے ظلم ڈھا دیئے تم نے
غریب رانڈوں کے خیمے جلا دیئے تم نے

بتاؤ کس کی بہن کو کیا تھا تم نے اسیر تھے کس کے اہل حرم جن کی تم نے کی تشہیر
غضب ہے دیکھ کے اُسکو ہنسیں صغیر وکبیر کہ جس کا سر جو کھلے ڈوب جائے مہرِ منیر
وہ جس کے نام کا سب احترام کرتے تھے
وہ جس کی ماں کو پیمبرؐ سلام کرتے تھے

خموش اب کہ ہے کرّار دل پہ غم کا وفور بسا ہے چشمِ تصور میں نورِ حق کا ظہور
میں دیکھتا ہوں کہ زہراؑ ہیں کس قدر مسرور بس ایک عرض یہ کرنا ہے منتظر کے حضور
سزا جو پا چکے اک اک شہید کا قاتل
امامؑ مجھ کو بنا دیں یزید کا قاتل

☆----☆----☆----☆----☆